ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند
اوّل آں تعمیر را ویراں کنند

ایک دوسرا شعر اس مضمون سے ملتا ہوا کسی اور استاد کا ہے جس پر اقبالؒ نے ایک تضمینی نظم بھی لکھی ہے :۔

مغاں کہ دانۂ انگور آب مے سازند
ستارہ مے شکنند آفتاب مے سازند

بعض مورخوں کا خیال ہے کہ یورش تاتار کے بعد مسلمانوں کی تہذیبی و تمدنی اور علمی و ذہنی ترقی رک گئی۔ ان کے کتب خانے اور رصدگاہیں سپرد آتش ہوگئیں۔ علوم و فنون کے مراکز امصار و دیار تباہ ہوگئے اور اہل علم نابود ہوگئے اس کے بعد ترکوں نے مسلمان ہو کر سیاسی طاقت تو حاصل کرلی لیکن علوم میں اضافہ نہ کرسکے۔ دوسری قومیں مسلمانوں سے زیادہ اسلامی زاویہ نگاہ پیدا کرگئیں، اور قرآنی پیش گوئی کے مطابق وارث ارض ہوگئیں۔ بقول اقبالؒ :۔

"مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور"

اب یہ حال ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی تعلیم کی عملی صورت بھی دوسروں سے سیکھنی پڑتی ہے، قرآن نے تو کہہ دیا تھا کہ :

تلك الایام نداولها بین الناس

خدا کے نزدیک کوئی قوم ازلی اور ابدی طور پر محض الفاظ اور عقائد کو دہرانے سے بہشتی قوم اور نجات یافتہ قوم نہیں ہوسکتی، اسلام کو قائم کرنے والے وہ تھے جن کے متعلق فرمایا : کنتم خیر امۃ اخرجت للناس ۔ اب مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ خیر امۃ میں وہ خود بھی شامل ہیں، خواہ ان کے اعمال کچھ بھی ہوں۔ یہ خوش فہمی ہے جس میں اہل کتاب اور دیگر ملتیں اسلام سے قبل مبتلا تھیں۔ اسلام ہمہ گیر ارتقائے انسانی چاہتا ہے اور مادی ترقی بھی اس ہمہ گیر ترقی کا ایک لازمی پہلو ہے ۔

حکمتِ رومی: مولانا جلال الدین رومیؒ کے افکار و نظریات ایسے دائمی حقائق ہیں جن کی اہمیت اور قدر و قیمت میں گردش زمانہ کوئی کمی نہ کرسکی اور ان کی مثنوی سے جس کو "قرآن در زبان پہلوی" کہا گیا ہے۔ علامہ اقبال بھی ویسے ہی متاثر ہوئے جیسے کہ مولانا جامیؒ۔ حکمت رومی ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی بلند پایہ تصنیف ہے جو ماہیت نفس انسانی، عشق و عقل، وحی و الہام، وحدت وجود، احترام آدم، صورت دینی، عالم اسباب اور جبر و قدر جیسے اہم ابواب پر مشتمل ہے۔ اور خلیفہ صاحب نے مولانائے روم کے افکار کا دوسرے حکماء کے خیالات سے موازنہ کرتے ہوئے ان کی حکیمانہ تشریح کی ہے۔ قیمت تین روپے ۔

ملنے کا پتہ : سکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ ۲۔ کلب روڈ۔ لاہور۔ (پاکستان)

مولانا عبدالمجید سالک

اسلامی ہند میں علم کی سرپرستی

(۲)

دورِ مغلیہ

بابر: بابر تعلیم یافتہ اور خوش ذوق بادشاہ تھا۔ اس کو عربی، فارسی اور ترکی نظم و نثر لکھنے کا بے نظیر ملکہ حاصل تھا۔ اسکی تزک واقعات کی صحت کے علاوہ محاسن تحریر سے بھی مالا مال ہے۔ جس زمانے میں اسلوب انشاء تکلف و تصنع سے گرانبار تھا۔ اس نے انتہائی سلاست و سادگی سے اپنی خود نوشت سوانح عمری مرتب کی جو آج تک نثر کا بہترین نمونہ سمجھی جاتی ہے شعر و شاعری کا ذکر تو اپنے موقع پر آئیگا۔ لیکن بابر نے "مفصل" کے نام سے عروض پر بھی ایک کتاب لکھی تھی[۱]۔ لین پول نے اپنی کتاب "بابر" میں لکھا ہے، "کہ پانچ سال کی عمر میں اس کو سمرقند لے گئے۔ اس کے بعد چھ سال تک غالباً وہ زیر تعلیم رہا۔ ترکی و فارسی میں اس کی مہارت شاہد ہے کہ وہ ادبیات میں بہترین استفادہ کر چکا تھا ہمیں اس کی ابتدائی تربیت کے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں لیکن غالباً وہ تربیت زیادہ تر خواتین خاندان کی توجہ کا نتیجہ تھی"۔

جو اہل علم سب سے پہلے بابر کی توجہ اور سرپرستی سے مستفید ہوئے وہ تین تھے۔ اوّل میر خوند کا پوتا خوندامیر مصنف "حبیب السیر"۔ مولانا شہاب الدین معمائی۔ اور مرزا ابراہیم ہراتی۔ خوندمیر بنگال کی مہم میں بابر کے ساتھ تھا۔ یہ وہی خوندمیر ہے جس کو بابر کے انتقال کے بعد ہمایوں نے بھی اپنے دربار میں رکھا اور اس نے ہمایوں کے نام پر "قانون ہمایوں" لکھی جس کا ذکر ابوالفضل نے اکبر نامے میں کیا ہے۔ وہ ہمایوں کے ساتھ گجرات گیا اور انتقال کے بعد دہلی میں نظام الدین اولیاؒ اور امیر خسرو کے پہلو میں دفن کیا گیا[۲]۔

فلکیات سے دلچسپی: بابر کو فلکیات سے بھی دلچسپی تھی۔ سمرقند کی رصدگاہ کا ذکر کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے۔ کہ اُس رصدگاہ کی مدد سے اُلغ بیگ مرزا نے زیج گورگانی مرتب کی جس پر اب تک انحصار کیا جاتا ہے۔ اس زیج کی اشاعت سے پہلے زیج ایلخانی کا استعمال عام تھا جو ہلاکو خان کے زمانے میں مراغہ کی رصدگاہ کی مدد سے خواجہ نصیر نے مرتب کی تھی۔ ہلاکو خان بھی ایلخانی کہلاتا تھا۔ دنیا بھر میں سات آٹھ سے زیادہ رصدگاہیں موجود نہیں۔ ان میں سے ایک خلیفہ مامون الرشید نے بنائی تھی جس میں زیج ماموئی کی ترتیب کی گئی۔ ایک اور بطلیموس نے تعمیر کی تھی۔ ایک اور رصدگاہ ہندوستان میں راجا بکرماجیت کے عہد میں تعمیر ہوئی۔ یہ ہندو راجا سلطنت مالوہ (جس کو اب مانڈو کہتے ہیں) میں اُجین اور دھار کا حکمران تھا۔ ہندو اب تک اسی رصدگاہ میں تیار کی ہوئی زیج استعمال کر رہے ہیں حالانکہ یہ زیج سب سے زیادہ ناقص اور نامکمل ہے۔ اس رصدگاہ کو تعمیر ہوئے ۱۵۸۴ برس گزر چکے ہیں"[۳]۔

۱؎ تاریخ مظفری۔ محمد علی خان انصاری مخطوطہ ۱۲/۱۵۔ ۲؎ ایلیٹ چہارم ۱۴۱/۱۴۳۔ ۳؎ تزک بابری ارسکین ۵۰/۵۱۔

جب بابر نے پنجاب پر حملہ کیا، تو پنجاب کے افغان امیر غازی خان کے پاس ایک قیمتی کتب خانہ تھا۔ جب غازی خاں نے غداری کی تو بابر نے اس کو قید کر دیا اور اس کے کتب خانے پر قبضہ کر کے بعض کتابیں ہمایوں اور کامران کو بھی بھیجیں۔ اس کتب خانے میں دینیات کی کتابیں بھی تھیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بابر کتابوں کی قدر و قیمت کا مبصر بھی تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ "مجھے بظاہر تو یہ کتابیں بہت اہم نظر آتی تھیں لیکن دیکھنے سے وہ چنداں اہم معلوم نہ ہوئیں"۔ بابر کے زمانے میں شیخ زین خوانی نے واقعات بابری کا ترجمہ کیا[1]۔

ہمایوں: ہمایوں علم ہیئت اور جغرافیہ کے مطالعہ کا بہت شوقین تھا۔ اس نے عناصر کی نوعیت پر مقالے بھی لکھے تھے اور اپنے استعمال کیلئے زمینی اور آسمانی کرے دکھوب بھی تیار کرائے تھے[2]۔ ابوالفضل اکبر نامہ میں لکھتا ہے کہ اس کی فطرت صالحہ اسکندر کی ہمت اور ارسطو کی علمیت کا مجموعہ تھی۔ ہمایوں نے اپنی قلمرو میں اپنے نوکریوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا تھا۔ علما و مشائخ، ادبا و شعرا، فقہا و قضاۃ "اہل سعادت" کہلاتے تھے۔ بادشاہ کے اعزہ، امرا، وزرا اور سرداران فوج کو "اہل دولت" سے موسوم کیا تھا۔ حسن و نشاط اور فنون لطیفہ کی قابلیت رکھنے والے "اہل مراد" تھے۔ ہفتے میں ان طبقات سے بہرہ اندوز ہونے کیلئے بعض دن مخصوص کئے گئے تھے۔
ہمایوں اہل علم سے مل کر بہت خوش ہوتا اور انہیں اکرام و انعام سے مالا مال کر دیتا۔ کتابوں کا عاشق تھا۔ یہاں تک کہ جب پناہ گزیں کی حیثیت سے بھاگا ہے اس وقت بھی اپنے مہتمم کتب خانہ اور چند منتخب کتابوں کو ساتھ لئے پھرتا تھا۔ جس وقت اس نے کھمبایت میں ڈیرا ڈالا ہے اس کے پاس بہت سی کتابیں تھیں جن میں تاریخ تیمور لنگ کا ایک نایاب نسخہ بھی تھا۔ رات کو جنگلی ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے ڈیرے پر حملہ کیا اور کتابیں بھی لے گئے لیکن وہ نسخہ کسی طرح واپس مل گیا۔ للا بیگ کا باپ نظام جس کو باز بہادر کا لقب حاصل تھا بادشاہ کا مہتمم کتب خانہ تھا[3]۔ شیر شاہ نے پرانے قلعہ میں "شیر منڈل" کے نام سے ایک عمارت بنائی تھی جس کو عیش گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا لیکن ہمایوں نے دوبارہ تخت نشین ہوتے ہی اسے کتب خانہ بنا دیا۔ اسی کتب خانے کی سیڑھیوں سے گر کر اس کا انتقال ہوا تھا۔

ہمایوں نے دہلی میں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا جس کے صدر مدرس شیخ حسین تھے۔ اس عہد میں شیخ زین الدین خوانی نے چنار کے قریب ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ شیخ کو انتقال کے بعد اسی مدرسے میں دفن کیا گیا۔ ان کی یادگار میں آگرہ کے بالمقابل جمنا کے کنارے ایک مکتب تعمیر کیا گیا[4]۔ مصنف نے اپنی کتاب "آثار قدیمہ" میں بتایا ہے کہ نئی دہلی کے قریب ہمایوں کا جو مقبرہ ہے وہ بھی ایک زمانے میں مدرسے کا کام دیتا تھا اور تعلیم کا ایک اہم مرکز سمجھا جاتا تھا۔ یہ مدرسہ مقبرہ کی چھت پر تھا اور علم و فضل اور اثر و نفوذ رکھنے والے لوگ اس مدرسے کی خدمت پر مامور کئے جاتے تھے لیکن گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے یہ مقام اپنی علمی شہرت کھو چکا ہے اور اس کے جو کمرے تشنگان علم سے معمور رہتے تھے اب خالی اور سنسان پڑے ہیں[5]۔

شیر شاہ: شیر شاہ سہسرام کا رہنے والا تھا۔ چونکہ اس کا باپ اس کی تعلیم کی طرف سے غفلت کرتا تھا اس لئے شیر شاہ جونپور چلا گیا۔ باپ نے اس کو واپس بلانا چاہا لیکن اس نے لکھ دیا کہ میں حصول تعلیم کا شائق ہوں اور جونپور اس لحاظ سے سہسرام پر فضیلت رکھتا ہے۔ شیر شاہ نے محنت سے پڑھنا شروع کیا۔ سعدی و نظامی کی تصانیف مثلاً گلستان، بوستاں، سکندر نامہ اور بعض کتابیں فلسفے کی بھی

---

۱ منتخب التواریخ عبدالقادر بدایونی ریکنگ ۴۴۹۔ ۲ فرشتہ دوم ۱/۷۔ ۳ اکبرنامہ اول ۳۰۹۔ ۴ تزک جہانگیری ۲۱۔ ۵ منتخب التواریخ ریکنگ اول ۶۱۰۔ ۶ سٹیفن آثار قدیمہ دہلی ۲۰۷۔